AL-QALAM القلم
ISSN 2071-8683 E-ISSN 2707-0077
Volume 25, Issue, 1, 2020
Published by Institute of Islamic Studies,
University of the Punjab, Lahore, Pakistan.

غیر منصوص مسائل کے حل میں قیاس سے استخدام
(فتاوی رضویہ اور امداد الفتاوی کا تحقیقی جائزہ)

The Utility of qayas in the Solution of Modern Jurisprudential Issues
(A Research Analysis of Fatawa Rizwiyyah and Imdad Al Fatawa)

***Abrar Ahmad**
****Dr.Abdul Basit**
*PhD Scholar, Sheikh Zayed Islamic Center, Punjab University, Lahore
**Associate Professor, Sheikh Zayed Islamic Center, Punjab University, Lahore

Abstract

Qiyas is an important tool employed to resolve issues not directly covered by the Qur'an and Sunnah. Its utility and significance are established and acknowledged by all the scholars of the ummah including the four imams and their followers, Imam Ibn Taymiyah (d. 728 AH) and his most distinguished disciple, Allamah Ibn Qayyim (d. 751 AH). The reason for this is that Islam is a vibrant and abiding religion in which there is not the slight possibility of any stagnation. Every now and then, new issues spring forth about which we do not have any clear directive of religion. Since these issues need to be resolved, Qiyas must necessarily be resorted to, keeping in view the injunctions of Islam and its dynamic nature.Qiyas is a form of Ijtihad. Several methodologies of Ijtihad have crystallized into established principles. The jurists of our ummah have undertaken Ijtihad and Qiyas keeping in view academic needs, emergent issues and the requirements of their culture and civilization. The authors of Fatawa e Rizwiyyah and Imdad ul Fatawa have also resolved issues that arose in their times through Qiyas. Examples of their edicts can be seen in these works. In their traditional expression of utter humility, they have even written: "In the first place, we are not competent enough to undertake Ijtihad and Qiyas " Then right adjacent to this statement have stated the principles of Qiyas and their works reflect several instances of it.

غیر منصوص مسائل کے حل میں قیاس فقہ اسلامی کا ایک اہم ماخذ ہے، جس کی افادیت واہمیت جمہور امت، ائمہ اربعہ، ان کے متبعین، امام ابن تیمیہ اور ان کے شاگردِ رشید علامہ ابن القیم تمام ہی کے نزدیک مسلم ہے؛ کیونکہ اسلام ایک زندہ وجاوید مذہب ہے، جس میں جمود وتعطل کی ذرہ برابر گنجائش نہیں ہے۔ زندگی میں نت نئے

مسائل جب بھی سامنے آتے ہیں تو بہت سے مسائل کا تعلق ان اشیاء سے ہوتا ہے جن کے بارے میں کوئی واضح نص نہیں تھی یا موجود نہیں ہے، چونکہ ان غیر منصوص کا حل تلاش کرنا ضروری ہوتا ہے اس لیے قیاس کو اختیار کرنا اسلام کی ابدیت اور اس کے حرکیاتی پہلو کے پیشِ نظر ضروری ہے۔

فقہاء کے ہاں اجتہاد کے متعدد اسالیب مسلم ہیں۔ فقہائے امت نے اپنی فکر و نظر، اپنے اپنے دور کی تہذیبی و تمدنی اور وقتی ضروریات کے پیش نظر اجتہاد و قیاس کیا ہے۔ فتاوی رضویہ اور امداد الفتاوی کے مفتیان نے بھی اپنے دور کے متعدد جدید مسائل کو قیاس کی روشنی میں حل کیا ہے جس کی مثالیں ان فتاوی میں نمایاں ہیں۔ گو کہ روایتی کسر نفسی میں یہاں تک لکھا ہے: "اول تو ہم میں قیاس واجتہاد کی صلاحیت نہیں۔"[1] پھر اس کے متصل ہی قیاس کے اصول وضوابط بھی بیان کر دیئے ہیں۔ اور فتاوی میں جابجا قیاس کی عملداری نمایاں ہے۔

قیاس کی لغوی تعریف

قیاس کے لغوی معنٰی اندازہ کرنا، پیمائش کرنا، مماثلت تلاش کرنا، تشبیہ دینا، دو چیزوں کو نظر و فکر میں جمع کرنا، مطابق اور مساوی کرنا ہیں، چنانچہ "قَاسَ الثَّوْبَ بِالذِّرَاعِ" کے معنٰی" قَدَّرَ أَجْزَائَه بِه "(کپڑے کی گز سے پیمائش کی)۔ اسی طرح "يُقَاسُ فُلَانٌ بِفُلَانٍ فِيْ الْعِلْمِ وَالنَّسَبِ" کے معنٰی" يُسَاوِيْهِ فِي الْعَلْمِ وَالنَّسَبِ" (علم اور نسب میں وہ اس کے برابر ہے)۔[2] قیاس کا لفظ 2 چیزوں میں مساوات و برابری نیز 2 چیزوں کے مابین موازنے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔[3]

کہا جاتا ہے: "قاس الطبيب قعر الجراحة قيساً "[4] طبیب نے زخم کی گہرائی کا اندازہ کیا۔

اصولی طور پر قیاس کے لغوی معنی کی تعیین میں تین نظریے ہیں:

علامہ محب اللہ بہاریؒ کے مطابق لفظِ قیاس تقدیر کے معنی میں اصل اور تسویہ کے معنی میں منقول ہے۔ مسلم الثبوت کی شرح میں وہ تحریر کرتے ہیں:

"وهو لغة:التقدير يقال: قست الثوب بالذراع، وقست النعل بالنعل (وشاع)بحيث يفهم من غير قرينة (في التسوية) بين الشيئين (ولو)كانت (معنويا) وفيه اشارة الى انه في التسوية منقول لانه مشترك بينهما "[5]

"(لغوی طور پر قیاس تقدیر کو کہتے ہیں) کہا جاتا ہے: میں نے کپڑے کو گز سے ناپا، (یعنی اندازہ کیا) اور ایک جوتے کا دوسرے سے اندازہ لگایا۔ (اور یہی معنی مشہور ہے) اس لئے کہ یہ کسی قرینے کے بغیر سمجھ میں آ جاتا ہے (اور تسویہ کے معنی میں) یعنی دو چیزوں کے مابین برابری کے معنی میں (اگرچہ) وہ

برابری(معنوی ہو)اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قیاس تسویۃ میں منقول ہے، دونوں معنوں میں مشترک نہیں ہے۔"

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ لفظ قیاس تقدیر ومساواۃ دونوں کے معانی میں مشترک لفظی کی حیثیت رکھتا ہے۔[6] علامہ شوکانی کا طرزِ تحریر اسی جانب مشیر ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

" تَقْدِيرُ شَيْءٍ عَلَى مِثَالِ شَيْءٍ آخَرَ، وَتَسْوِيَتُهُ بِهِ"[7]

تیسرے نظریے کے علمبردار محقق علامہ ابن الہمام ہیں، ان کی رائے کے مطابق قیاس ان معانی کے لیے مشترک معنوی ہے۔[8]

ابن امیر حاج نے بھی اسی نظریئے کی تائید کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:**"(فَهُوَ)أَيْ الْقِيَاسُ (مُشْتَرَكٌ مَعْنَوِيٌّ) يُطْلَقُ عَلَى اسْتِعْلَامِ الْقَدْرِ وَالتَّسْوِيَةِ بِاعْتِبَارِ شُمُولِ مَعْنَاهُ "**[9]

اصطلاحی تعریف:

امام الحرمین کے مطابق:

يَتَعَذَّرُ الْحَدُّ الْحَقِيقِيُّ فِي الْقِيَاسِ لِاشْتِمَالِهِ عَلَى حَقَائِقَ مُخْتَلِفَةٍ :كَالْحُكْمِ فَإِنَّهُ قَدِيمٌ، وَالْفَرْعُ وَالْأَصْلُ فَإِنَّهُمَاحَادِثَانِ،وَالْجَامِعُ فَإِنَّهُ عِلَّةٌ. وَوَافَقَهُ ابْنُ الْمُنِيرِ شَارِحُهُ عَلَى تَعَذُّرِ الْحَدِّ[10]

"قیاس کی حقیقی تعریف ایک دشوار کام ہے کیونکہ یہ مختلف حقائق کو شامل ہے جیسا کہ حکم قدیم ہے جبکہ فرع واصل حادث ہیں ان میں جامع علت ہے، ان کے شارح ابن منیر نے بھی اس بارے میں ان کی موافقت کی ہے۔"**"وکل ما قیل فی تعریفه فانه رسوم "**[11]

علامہ آمدی نے الاحکام میں قیاس کی تقریباً تمام مشہور تعریفات کے تذکرہ اور بالترتیب ان کے ضعف پر تنبیہ کے بعد جو مختار تعریف بتلائی ہے وہ اس طرح ہے:

"انه عبارة عن الاستواء بين الفرع والاصل فی العلة المستنبطة من حكم الاصل۔ "[12]

"قیاس عبارت ہے اصل اور فرع کے درمیان اس علت میں برابری قائم کرنے سے جو اصل کے حکم سے مستنبط کی گئی ہے۔"

اس تعریف کے متعلق علامہ آمدی نے کہا:

"وهذه العبارة جامعة مانعة وافية بالغرض عرية عمايعترضها من التشكيكات العارضة لغيرها على ماتقدم"۔[13]

تعریف مذکور جامع مانع ہے، مفہوم قیاس کی اس کی روشنی میں پورے طور پر وضاحت ہو جاتی ہے اور دیگر تعریفات پر جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں ان سے یہ محفوظ ہے۔

قیاس کی اصطلاحی تعریفات میں متقدمین کی دو باتیں قابل غور ہیں:

1۔ قاضی عبدالجبار، ابوالحسن اور باقلانی کے نزدیک قیاس کے ذریعے اصل کا حکم فرع میں جاری ہوتا ہے ۔یعنی اصل میں اگر کوئی حکم اثبات کی شکل میں ہے تو وہ علت میں کسی بھی مشابہت کی بنیاد پر فرع میں ثابت ہو جاتا ہے اور اگر اصل میں کسی بات کی نفی کی گئی ہے تو وہ اسی مشابہت کی بنیاد پر فرع میں بھی اسی چیز کی نفی کر دے گی۔[14]

2۔ اس کے بالمقابل آمدی اور ان کی مانند تعریف کرنے والے اصولیین کے ہاں قیاس اصل اور فرع کے درمیان حکم کی علت میں مساوات قائم کرنے کا نام ہے۔یعنی قیاس مساوات کے قائم ہونے کے نتیجے میں اصل کا حکم فرع کے لئے بھی ثابت کرتا ہے۔[15]

اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ پہلے گروہ کے نزدیک قیاس کو براہ راست حکم کے لئے مثبت مانا جا رہا ہے جب کہ دوسرے گروہ کے نزدیک قیاس بالواسطہ حکم کے لئے مثبت ہے۔

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے قیاس کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"شریعت اور فقہاء کی اصطلاح میں قیاس سے مراد یہ ہے کہ اصل حکم میں پائی جانے والی علت کو دوسرے نئے حکم پر منطبق کرنا (قیاس کہلاتا ہے)۔"[16]

جمہور علماء و فقہاء اسے حجتِ شرعی تسلیم کرتے ہیں بلکہ ڈاکٹر محمود احمد غازی تو اسے فقہی ترتیب میں تیسرے درجے پر رکھتے ہیں۔ان کے مطابق چونکہ اس کی اجازت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دی تھی اس لئے اس کا درجہ اجماع سے زیادہ ہونا چاہیے۔[17]

محمد بن صالح العثیمینؒ کے مطابق قیاس تمام علماء کے نزدیک دلیلِ شرعی ہے۔وہ لکھتے ہیں:

"جمہور امت کے بقول قیاس دلیلِ شرعی ہے، جو قرآنِ کریم، سنتِ رسول ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے اقوال سے ثابت ہے۔"[18]

راقم کی رائے میں "علت میں اصل و فرع کا ایسے مماثل ہونا جس سے اصل کا حکم فرع میں ثابت ہو جائے"، قیاس کی ایک تعریف ہو سکتی ہے۔مزید یہ کہ حکم مقیس علیہ، مقیس میں ثابت ہو جائے گا لیکن دونوں میں

قوت کا فرق ضرور ذہن نشین رہنا چاہئے کیونکہ منصوص میں حکم منصوص ہے اور مقیس میں حکم اس منصوص سے منعکس و مستفاد ہے۔ دونوں میں یقیناً فرق ہے۔

امداد الفتاوی اور فتاوی رضویہ میں قیاس کی عملداری کے بیان سے پہلے ان فتاوی کا تعارف ضروری ہے۔

امداد الفتاوی:

مولانا اشرف علی تھانوی ؒ کے فتاویٰ کا مجموعہ ابتدا میں " فتاویٰ اشرفیہ " کے نام سے موسوم تھا، بعد میں اس کا نام "امداد الفتاویٰ" 19 رکھا گیا۔ اس فتاویٰ کی ترتیب و تہذیب کا فریضہ مفتی محمد شفیع صاحب نے سر انجام دیا ہے۔ 6 جلدوں پر مشتمل اس مجموعہ میں حضرت تھانوی کے 1296ھ سے 1326ھ (1887ء تا 1947ء) تک کے فتاویٰ شامل ہیں، جن کی تعداد 3448 ہے۔ 20 اس کی مزید خصوصیت یہ ہے کہ سن 1296ھ سے 1301ھ تک کے فتاویٰ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی ؒ کے تصدیق کردہ ہیں اور 1301ھ سے 1323ھ تک کے اکثر اہم فتاویٰ میں حضرت گنگوہی ؒ کے مشورے اور اصلاح شامل ہے، جس نے اس مجموعہ کے استناد کو مزید بڑھا دیا ہے۔ امداد الفتاویٰ کا پہلا ایڈیشن 1927ء میں چار جلدوں میں شائع ہوا۔ امداد الفتاویٰ کے جدید تحشیہ کا کام مفتی شبیر احمد قاسمی (صدر مفتی و محدث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد) نے کیا ہے۔ جدید حاشیہ کے بعد ۱۲، ضخیم جلدوں میں زکریا بک ڈپو دیوبند سے شائع ہوا ہے۔ 21

فتاوی رضویہ:

فتاویٰ رضویہ فقہ حنفی کے مطابق مولانا احمد رضا خان کے جاری کردہ ہزاروں فتاوی جات کا مجموعہ ہے، اس علمی ذخیرے کو فقہ حنفی کا انسائیکلوپیڈیا کہا جاتا ہے۔ اس کا پورا نام "العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ" ہے جسے مختصر طور پر فتاویٰ رضویہ کہا جاتا ہے۔ تخریج شدہ تینتیس جلدیں ہیں جن میں کل 6847 سوالات کے جوابات ہیں اور مولانا احمد رضا خان کے 206 رسائل بھی اس میں شامل ہیں۔[22] فتاوی رضویہ میں تقلید کے ساتھ ساتھ اکثر مقامات پر اجتہادی رنگ بھی نمایاں ہے۔ اصول فقہ اور فتوی نویسی کے جملہ اصول و قواعد اور آداب مفتی کی پابندی کرنے کے ساتھ ساتھ فقہائے سلف سے اختلاف بھی موجود ہے۔[23]

امداد الفتاوی اور فتاوی رضویہ میں قیاس سے حل کئے جانے والے مسائل:

کتاب و سنت اور فقہی نصوص پر قیاس میں دونوں فقہاء نے استخدام کیا ہے۔ جو مثالوں سے واضح ہے۔ لیکن دونوں فقہاء نے مسائل کا جواب سائلین کے مطابق دیا ہے۔ جس میں قیاس کا حوالہ دینے اور ارکان قیاس کی

وضاحت کی ضرورت نہ تھی تاہم راقم نے تتبع سے ارکان قیاس کو واضح کیا ہے اور ایک خاص اسلوب میں انہیں درج بھی کیا ہے۔ مزید یہ کہ دونوں کے جواب دینے کے منہج سے کون سے اصول اخذ کئے جا سکتے ہیں اور ان کی روشنی میں جدید مسائل کیسے حل کئے جا سکتے ہیں۔ آنے والی تحریرات سے بات مزید واضح ہو جائے گی۔

کتابیں پڑھنے کے بعد ان کی بیع :

سوال: کتاب پڑھ کر فروخت کرنا جائز ہے یا ناجائز وجہ شبہ یہ کہ اس کا پڑھنا ہی اس کا استعمال ہے ہر مستعمل کے دام کم ہوتے ہیں؟

الجواب: "اگر استعمال سے کچھ رونق وغیرہ میں کمی ہوگئی ہو تو مشتری کو اطلاع کر دینا بوقت بیع کے واجب ہے۔"[24]،[25]

مصنوعی گھی کا بیچنا

مولانا بریلوی سے یہ سوال کیا گیا کہ یہاں کلکتہ میں مصنوعی یعنی میل کا گھی بکتا ہے باوجود علم کے ایسا گھی تجارت کے لئے خرید کر بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: "اگر یہ مصنوعی جعلی گھی وہاں عام طور پر بکتا ہے اور ہر شخص اس کے جعلی ہونے پر مطلع ہے اور باوجود اطلاع کے خریدتا ہے تو بشرطیکہ خریدار اجنبی وناواقف نہ ہو، جائز ہے۔ خلاصہ یہ کہ جب خریداروں پر اس کی حالت مکشوف ہو اور فریب ومغالطہ راہ نہ پائے تو اس کی تجارت جائز ہے، بالجملہ مدار کار ظہور امر پر ہے خواہ خود ظاہر ہو جیسے گیہوں میں جو، چنوں میں کسا یا بجہت عرف واشتہار مشتری پر واضح ہو جیسے دودھ کا معمولی پانی، خواہ یہ حالت واقعی تمام وکمال بیان کرے۔"[26]

راقم کی رائے میں یہ مسئلہ مولانا تھانوی نے سنت مطہرہ کی ایسی نصوص پر قیاس کیا ہے جن میں عیب دار چیز کی فروخت کے وقت عیب پر اطلاع دینا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ جو نصوص جواب کے حاشیہ میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔ مولانا بریلوی کے تفصیلی جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ عیب دار چیز کی بیع تین صورتوں میں جائز ہے۔(1) عیب ظاہر ہو۔(2) عرف میں وہ عیب مروج ومعلوم ہو۔(3) بائع خود اطلاع دے دے۔ مولانا بریلوی نے اس پر فقہاء کی عبارات پیش کی ہیں جن کے ذریعے اس پیش آمدہ مسئلہ کو حل کیا ہے:

"لا باس ببیع المغشوش اذا بین غشه او كان ظاهراً یری، وكذا قال ابو حنیفه رضی الله عنه فی حنطة خلط فیها الشعیر، والشعیر یری لاباس ببیعه وان طحنه لا یبیع، وقال الثانی فی رجل معه فضة نحاس لایبیعها حتی یبین ۔ "[27]

"ملاوٹ شدہ چیز کی فروخت میں کوئی حرج نہیں اگر اس کی ملاوٹ بیان کر دی جائے، یا پھر ایسی ظاہر ہو کہ دیکھنے سے نظر آتی ہو۔ اسی طرح کا قول امام ابو حنیفہ کا ہے ایسی گیہوں کے بارے میں جس میں جو مکس ہو جائے اور جو نظر آ رہے ہوں، ایسی صورت میں امام صاحب کے ہاں اس کی فروخت میں کوئی حرج نہیں، لیکن اگر اس کو پیسے گا تو نہیں بیچے گا۔ اور دوسرے کے بارے میں کہا کہ ایسا آدمی جس کے پاس ملاوٹ شدہ چاندی ہو وہ اسے بیچ نہیں سکتا جب تک اس کی ملاوٹ کو بیان نہ کر دے۔" "قوله وان طحنه لا يبيع اى الا ان يبين لانه لا يرى۔ "[28]

"اور ان کا کہنا کہ اگر وہ پیس لے تو اس کا بیچنا درست نہیں مگر یہ کہ وہ واضح کر دے، اس لئے کہ (پیسنے کے بعد) وہ دکھائی نہیں دیتے۔"

دونوں فقہاء کی آراء کا جائزہ:

دونوں فقہاء اس مسئلہ میں متفق ہیں۔ مولانا تھانوی نے مختصر جواب پر اکتفا کیا ہے اور مولانا بریلوی نے تفصیل ذکر کی ہے۔

اصول مستفاد:

1. عیب دار چیز کی فروخت بغیر بتائے جائز نہیں ہے۔
2. جو عرف میں عیب مروج و مشہور ہو اس کا بار بار بتانا ضروری نہیں ہے۔
3. جو عیب ظاہر ہو اس کا بتانا بھی ضروری نہیں ہے۔

مسائل جدیدہ کا حل:

دور حاضر میں فروخت ہونے والا ڈبوں میں پیک دودھ یا باقی اشیاء جن میں ملاوٹ معروف ہے اگر ڈبوں پر اہل خرید کی زبان میں اس کے اجزا کا واضح بیان کر دیا جائے تو ان کی خرید و فروخت جائز ہے یا سچ پر مبنی مخصوص کوڈز کی صورت میں اہل فن نے اس کے حلال ہونے اور اس کے مضر صحت نہ ہونے کی تصدیق کر دی ہو تو جائز ہے کیونکہ ہر بندہ کوڈز کی معرفت نہیں رکھتا۔

مسئلہ مذکورہ میں قیاس

حکم	علت	مقیس	مقیس علیہ
(1) جواز بعد از بیان عیب (2) عدم جواز بغیر بیان عیب	دھوکہ سے بچانا	مستعمل چیز کی بیع یا ملاوٹ والی چیز کی بیع	معیوب چیز کی بیع

مثلاً حدیث مبارکہ میں ہے: **لا یحل لمسلم باع من اخیه بیعا (مبیعة)وفیه عیب الا بینه له** [29]، جس سے واضح ہے کہ معیوب چیز کی بیع بعد از بیان عیب جائز ہے اور کتمان عیب کے ساتھ ناجائز ہے کیونکہ مسلمانوں کو دھوکہ سے بچانا ہے جہاں بیع میں دھوکہ پایا جائے اور وہاں حکم عدم جواز کا ہوگا۔

توجیہ و شرائط جواز پیشہ وکالت:

مولانا تھانوی نے توجیہ و شرائط جواز پیشہ وکالت کے تحت سوال وجواب نقل کیا ہے اس سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں چار شقیں بیان کی گئی ہیں: 1۔ مؤکل حقیقتاً مظلوم ہے تو نصرت واجب ہے اور واجب پر اجرت لینا ناجائز۔(یعنی جو کام بندے پر فی نفسہ واجب ہے دوسرے سے اس پر اجرت کیوں کرلے؟)2۔ اگر مؤکل ظالم ہے تو نصرت حرام اور حرام کی اجرت ناجائز ہے۔3۔ وکیل کی اجرت کو مثل اجرت قاضی قرار دیا جائے۔4۔ وکیل کی اجرت نصرت پر نہ ہو بلکہ وقت کی اجرت لیتا ہو۔ تو کیا حکم ہے؟

مولانا تھانوی نے جواب میں تحریر کیا:

"سائل نے جو توجیہات اس کے حبس کی لکھی ہیں وہ کافی ہیں، اور ان سب سے سہل تر توجیہ یہ ہے کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ حرمت استیجار مخصوص ہے، طاعت مختصہ بالمسلم کے ساتھ [30] اور نصرت مظلوم منجملہ طاعات عامہ کے ہے، پس اس میں اس حرمت کا حکم نہ کیا جاوے گا، حاصل یہ کہ پیشۂ وکالت فی نفسہٖ جائز ٹھہرا۔[31] مگر شرط یہ ہے کہ سچّے مقدمات لیتا ہو۔"[32]، [33]

مولانا بریلوی کا جواب:

"وکالت جس طرح رائج ہے حق کو ناحق کرنے، ناحق کو حق کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اگر وہ سچ بولنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اگر تم سچ بولو گے تو تمہارا مقدمہ سرسبز نہ ہوگا، جھوٹی گواہیاں دلواتے ہیں، جھوٹے حلف اٹھواتے ہیں، قطعی حرام ہے اور ایسی ہی وکالت آج کل فروغ پاسکتی ہے۔"[34]

راقم کی رائے کے مطابق مولانا تھانوی نے اس مسئلے کو عبارات فقہیہ کی روشنی میں حل کیا ہے البتہ وکالت کے جواز کو اس بات کے ساتھ مقید کیا ہے کہ سچے مقدمات کی پیروی کرے اور مولانا بریلوی سے جب اس قسم کا استفتاء کیا گیا تو انہوں نے مروجہ وکالت کو قطعی حرام کہا ہے چند مفاسد کے پائے جانے کی وجہ سے؛ 1۔ ناحق کو حق کرنا، 2۔ سچ کو جھوٹ میں بدلنا، 3۔ ظالم کی حمایت اور مظلوم کی اہانت کرنا۔[35] گویا مولانا بریلوی نے گناہ سے ملحق کام کی اجرت کو ناجائز کہا ہے۔ فی نفسہ وکالت کو حرام نہیں کہا ہے بلکہ مروجہ وکالت کو حرام قرار دیا ہے۔ انجام کے اعتبار

سے دونوں فقہاء کی رائے متفق ہے کیونکہ مولانا تھانوی نے بھی مقدمات کی وکالت کو سچ کے ساتھ مشروط کر کے جائز قرار دیا ہے۔

اصول مستفاد:

ہر وہ امر جس کی ممانعت شریعت مطہرہ میں موجود ہو اس پر وکیل ٹھہرانا اور ٹھہرنا دونوں ناجائز ہیں اور فی نفسہ جائز امور میں بعض عوارض کی وجہ سے وکیل بنانا اور بننا دونوں کام حرام ہو جاتے ہیں۔

مسائل جدیدہ کا حل:

مارکیٹنگ کے شعبہ میں کام کرنے والے اور میڈیکل ریپ وغیرہ اگر جائز امور کی وکالت کر رہے ہوں تو جائز ہو گا ورنہ دھوکہ دہی، مضر صحت اشیاء کی خرید و فروخت کرنے میں کمپنیوں کے معاون ہوں تو ناجائز ہو گا۔

مسئلہ مذکورہ میں قیاس

مقیس علیہ	مقیس	علت	حکم
اجارہ	مروجہ وکالت	انتفاع عن عمل الغیر باجر	جواز بشرط امر جائز بغیر فساد

فقہاء کرام نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ پیشہ وکالت وہی جائز ہے جس میں شریعت کے مقرر کردہ اصولوں پر کاربند رہا جائے ورنہ شرائط فاسدہ کے پائے جانے کی وجہ سے ناجائز ہو گا۔

فاسد اجارہ کا معصیت ہونا:

سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ اجارہ فاسدہ مثلاً بسا اوقات اجیر اور مستاجر میں کوئی مشاہرہ متعین نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات اجیر کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ عمل پر اجرت ملے گی بھی یا نہیں؟ اس کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ نیز اس کا اثر حیات دنیوی پر رہے گا یا حیات اخروی میں بھی ضرر ہو گا؟

اس کا جواب مولانا تھانوی نے یہ دیا ہے:

"تصریحاً نظر سے نہیں گذرا مگر غالباً معصیت سے خالی نہیں لارتکاب المنہی عنہ اور اجرت میں خبث نہیں آتا۔ لمشروعية بأصله وإن كان غير مشروع بوصفه [36]۔ "واللہ اعلم[37]

مولانا بریلوی سے سوال یہ کیا گیا تھا کہ مدارس دینیہ یا کسی اور شعبہ میں جب کوئی اجیر رکھا جاتا ہے تو اس وقت اس سے چند شرائط پر دستخط کروالئے جاتے ہیں، اگر وہ ان شرائط کی خلاف ورزی کر کے ملازمت بلا اطلاع چھوڑ کر چلے جائیں تو ایسے ملازمین کی تنخواہ ضبط کر لینے اور نہ دینے کا اختیار کمیٹی کو ہوگا یا نہیں؟ اس سوال کے ضمن میں مولانا بریلوی رقم طراز ہیں:

"ایسی شرائط وہاں مشہور و معلوم ہو کر المعروف کالمشروط ہوں، جب تو وہ نوکری ہی ناجائز و گناہ ہے کہ شرط فاسد سے اجارہ فاسد ہوا، اور عقد فاسد حرام ہے اور دونوں عاقد مبتلائے گناہ اور ان میں ہر ایک پر اس کا فسخ واجب ہے اور اس صورت میں ملازمین تنخواہ مقرر کے مستحق نہ ہوں گے بلکہ اجر مثل کے جو مشاہرہ معینہ سے زائد نہ ہو۔"[38]

راقم کی رائے کے مطابق مولانا تھانوی اور مولانا بریلوی نے اس مسئلہ کو عبارات فقہیہ سے حل کیا ہے۔

توضیح فتاوی:

مولانا تھانوی کے ہاں مسئلہ مذکورہ میں معصیت کا گمان غالب ہے بوجہ فعل ممنوع کے ارتکاب کے اور اجرت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ قاعدہ فقہیہ "مشروع باصله وان كان غير مشروع بوصفه "[39] کے تحت یعنی ملازمت ناجائز اور تنخواہ جائز ہے۔

اسی قسم کا استفتاء جب مولانا بریلوی سے کیا گیا تو انہوں نے اجارہ فاسدہ کو حرام قرار دے کر دونوں عاقدین کے گنہگار ہونے کا فتوی صادر کیا نیز اجرت مثلی لینے کا حق ثابت کر کے مستاجر کو ادائیگی حق پر ابھارا ہے۔

اصول مستفاد: ہر وہ اجارہ جو بنفسہ جائز اور بوصفہ غیر جائز ہو تو اس کی آمدنی جائز مگر عمل حرام ہے۔

مسائل جدیدہ:

اجرت متعین کئے بغیر رینٹ پر گاڑی لینا اجارہ فاسدہ ہے، اس صورت میں اجرت مثلی لازم ہوگی۔ اگر کسی کمپنی یا فرد نے کرایہ کا مناسب شیڈول متعین کر رکھا ہے تو یہ اجارہ درست ہوگا۔

مسئلہ مذکورہ میں قیاس

مقیس علیہ	مقیس	علت	حکم
مشروع باصلہ، غیر مشروع بوصفہ یا امر معصیت پر اجارہ	مروج و مذکور اجارہ	منہی عنہ کا ارتکاب	گناہ گار ہونا/عقد فاسد۔ اجر مثلی کا لازم ہونا

راقم کے مطابق مولانا تھانوی سے جو مسئلہ پوچھا گیا ہے وہ عمومی بھائی چارے کی بابت ہے۔ جہاں اجرتیں طے نہیں ہوتیں بگار و تبرع ہوتا ہے۔اس صورت میں عمل واجرت درحقیقت دونوں طرف سے تبرع ہی کہلائیں گے۔ محنت پر ملنے کی امید اسے اجارہ نہیں بنادیتی بلکہ دونوں طرف سے تبرع ہی رہتا ہے۔ہاں اگر عرفا اجارہ طے ہو جائے تو مولانا تھانوی والی بات درست ہے جبکہ مولانا بریلوی کے ہاں جو صورت پوچھی گئی ہے اس میں اجارہ طے ہے اور اس کی ادائیگی و عمل میں شبہات تھے تو اس کا جواب دیا گیا ہے۔

کانجی ہاؤس سے نیلام میں خریدے ہوئے جانور کی قربانی کا حکم :

سوال: مویشی نیلام شدہ کانجی ہاؤس کہ جو مالک کے پاس سے خواہ بطور آوارگی یا بذریعہ چوری کانجی ہاؤس میں ہوں، چوری کی تشریح یہ ہے کہ کوئی چور مویشی لایا، اور اس نے کسی الزام سے بچنے کی غرض سے کانجی ہاؤس میں کر دے، گورنمنٹ مالک کو کسی ذریعہ سے اطلاع نہیں دیتی، پندرہ روز کانجی ہاؤس میں رکھ کر اپنے اختیار سے نیلام کر دیتی ہے، اور اس کی قیمت خود سرکار رکھ لیتی ہے ایسے مشتری نیلام کو جائز ہے کہ وہ اس مویشی کو قربانی کرے یا نہیں؟

الجواب: "ان دونوں حالتوں میں شرعاً قیمت کا تصدق واجب ہے، خود رکھنا درست نہیں۔40 جب بائع کی نیت قیمت خود رکھنے کی ہو اور مشتری کو معلوم ہو تو اس کا خریدنا اعانت علی غیر المشروع ہے؛ اس لئے درست نہیں۔41 اور استیلاء کا مسئلہ یہاں غامض ہے۔"42

راقم کے مطابق ولایت حاصل ہونے کی صورت میں لقطہ کی طرح مناسب تشہیر ہونی چاہیئے اور پھر رقم جانور کی علامات درج کر کے محفوظ رکھنی چاہیئے۔ اگر مالک مل جائے تو اسے ادا کر دی جائے۔

مولانا بریلوی سے جب کانجی ہاؤس سے خریدے ہوئے جانور کی قربانی کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے یہ جواب دیا:

کانجی ہاؤس کے نیلام کی راس خرید ناجائز نہیں، نہ اس کی قربانی ہو سکے گی کہ وہ فضولی کی بیع ہے یوں غیر مالک کی بے اجازت مالک اور ملکِ غیر کی قربانی نہیں ہو سکتی۔

راقم کی رائے کے مطابق مولانا تھانوی نے اس مسئلے کو آیت قرآنی "**وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ** "[43] پر قیاس کر کے بیع و شراء کو ہی فاسد قرار دیا ہے جب اسی قسم کا استفتا مولانا بریلوی سے کیا گیا تو انہوں نے اس کو بیع فضولی پر قیاس کر کے عدم جواز کا فیصلہ صادر فرمایا ہے۔[44]

مولانا تھانوی کا تصدق قیمت کا فتوی تب ہو سکتا ہے جب مالک معلوم نہ ہو، جب مالک معلوم ہو تو اصل قیمت اسی کو دینا چاہئے اور اس کے قیمت قبول کر لینے کے بعد بیع جائز ہو جائے گی اور مولانا بریلوی کے فتوی کی صورت میں بھی جب مالک معلوم کو قیمت ادا کر دی اور اس نے قبول کر لی تو فضولی کی بیع اصل مالک کی اجازت سے گویا منعقد ہو گئی۔

فتاوی کی توضیح:

مولانا تھانوی نے سائل کے استفتا کا جواب نہیں دیا بلکہ بیع کو ناجائز قرار دیا ہے، قربانی کے متعلق کوئی صریح حکم صادر نہیں کیا جب کہ مولانا بریلوی نے بیع اور قربانی دونوں کو ناجائز قرار دیا ہے۔

اصول مستفاد:

جس طرح غیر مشروع کام کرنا درست نہیں ہے بعینہ اسی طرح غیر مشروع عمل کی اعانت بھی جائز نہیں۔

مسائل جدیدہ:

خلاف شرع کام کرنے والے اشخاص کے پاس اور اداروں میں جس طرح خود ملازمت کرنا درست نہیں اسی طرح وہاں پر کسی کو ملازم لگوانا بھی درست نہیں۔

مسئلہ مذکورہ میں قیاس

مقیس علیہ	مقیس	علت	حکم
مال مغصوبہ /ملک خبیث کا حاصل ہو نا	کانجی ہاؤس میں نیلامی	تعاون علی الاثم والعدوان	ناجائز

فقہائے کرام نے اس بات کی وضاحت کی ہے ایسی نیلامی جس میں مال مغصوبہ کی بیع ہو رہی ہو اس میں حصہ لینا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ مال مغصوبہ ہونے کی وجہ سے **تعاون علی الاثم** کے قبیل سے ہے اور **تعاون علی الاثم** عین اثم ہے شریعت کی نظر میں۔

عقیقہ کی کھال سے فائدہ اٹھانے کا حکم:

سوال: عقیقہ کی کھال سے بھی مثل قربانی کے عقیقہ کرنے والا خود منتفع ہو سکتا ہے، کہ کوئی چیز بنوا کر اپنے کام میں لاوے یا نہیں، اور بعد فروخت کرنے کے قیمت کا صدقہ کر دینا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: "چونکہ شرائط واجبہ فی الاضحیہ عقیقہ میں محض مستحب ہیں،اس لئے تصدق بالقیمت بھی مستحب ہوگا ۔[45]اور انتفاع بالجلد کے جواز میں کوئی شبہ نہیں[46]۔"فقط واللہ اعلم[47]

مشہور حنبلی فقیہ علامہ موفق الدین بن قدامہ "المغنی" میں رقمطراز ہیں:

"والعقيقة شرعت عند سرور حادث وتجدد نعمة فأشبهت الذبيحة في الوليمة، ولأن الذبيحة ههنا لم تخرج عن ملكه فكان له أن يفعل بها ما شاء من بيع وغيره، والصدقة بثمن ما بيع منها بمنزلة الصدقة به في فضلها وثوابها، وحصول النفع به فكان له ذلک۔"[48]

مولانا بریلوی سے پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ

"چرم قربانی سے تمول منع ہے، فقراء پر صرف ممنوع نہیں ہے۔ تبیین الحقائق میں ہے کہ لانه قربة كاالتصدق، وہ اگر فقراء کے لئے بیچتا اور اسی قیمت میں اور دام ڈال کر کھانا فقراء اور گھر والوں کے لئے پکاتا تو برا کرتا کہ تصدق و تمول خلط بلا تمیز تھا۔**لقوله عليه السلام كلوا وادخروا وائتجروا۔**"[49]

راقم کی رائے کی مطابق مولانا تھانوی نے اس مسئلہ کو عبارات فقہیہ کی روشنی میں حل کیا ہے اور مولانا بریلوی نے چرم عقیقہ کو چرم قربانی پر قیاس کیا ہے۔

توضیح فتاوی:

مولانا تھانوی تصدق چرم عقیقہ کو مستحب قرار دیتے ہیں۔جب کہ مولانا بریلوی تصدق چرم عقیقہ کو واجب قرار دیتے ہیں۔

اصول مستفاد: مقیس علیہ کا حکم جب مقیس میں آئے تو اس حکم کی نوعیت وجوب واستحباب میں مختلف ہوسکتی ہے

مسائل جدیدہ:

ہسپتالوں کو چرم قربانی دینا یا دیگر خیراتی کاموں میں اس کا صرف تب ہی جائز ہو سکتا ہے جب وہاں کے وصول کنندگان شریعت کے اصولوں کے مطابق وصول کریں اور اصل مستحقین پر خرچ کریں نہ یہ کہ ایک عبادت کا معاملہ لادین لوگوں کے سپرد کر دیا جائے۔

مسئلہ مذکورہ میں قیاس

مقیس علیہ	مقیس	علت	حکم
چرم قربانی	چرم عقیقہ	مقصود تقرب الی اللہ ہے	تصدق واجب یا مستحب

فقہاء کرام نے چرم قربانی کی فروخت کی صورت میں قیمت کے تصدق کے وجوب کا حکم دیا ہے۔ عقیقہ بھی تقرب باھراق الدم کے قبیل سے ہے اس کا حکم بھی وہی ہو گا۔ جبکہ مولانا تھانوی کے ہاں حکم تصدق تو مطلق ہے۔ وجوب اور استحباب یعنی قوت حکم میں شرائط کی مثل تفاوت ہے۔ اور مولانا بریلوی کے ہاں دونوں کی شرائط بھی واجب ہیں۔

گائے کے عقیقہ کا حکم: (نص کی موجودگی کے باوجود قیاس کی مثال جب کہ نص مستحضر نہ ہو)[50]

یہ مثال بڑی دلچسپی کی حامل ہے۔

مولانا تھانوی نے پہلے قربانی پر عقیقہ کو قیاس کرنا درست نہ سمجھا کہ یہ امر تعبدی ہے، اس میں قیاس کے ذریعے اضافہ جائز نہیں۔ پھر نص معلوم ہونے پر اپنے پہلے فتوی سے رجوع کر لیا۔

مولانا بریلوی سے متعین کر کے پوچھا گیا کہ عقیقہ کو قربانی پر قیاس کر سکتے ہیں یا نہیں؟ انہوں نے قیاس بھی کیا، علت بھی واضح بیان کی لیکن یہ بھی کہہ دیا کہ **فان المندرج تحت العمومات غیر مسکوت عنه لا یقاس۔**[51] کہ جو مسئلہ عمومات کے تحت درج ہو وہ مسکوت عنہ نہیں ہوتا کہ اس میں قیاس کیا جائے۔ گویا مندرجات تحت العمومات میں زیادہ تتبع کی ضرورت نہیں۔ ان کا حکم نظائر کی طرف دیکھتے ہی فورا معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ یہ جزیہ بھی اسی طرح کا ہے، وہی علت اس میں بھی موجود ہے لہٰذا حکم بھی وہی ہو گا۔ اور یہی تو قیاس ہے۔

خلاصہ سوال: 1۔ گائے کا عقیقہ کرنا از روئے شریعت درست ہے کہ نہیں۔ 2۔ اگر لڑکے کی پیدائش میں دو بکروں کی جگہ پوری گائے کا عقیقہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب: (ا) "گائے کا عقیقہ آثار میں تو منقول دیکھا نہیں گیا، البتہ فقہاء نے گائے میں عقیقہ کا حصہ لینے کو لکھا ہے تو اس کے جواز کا قائل ہونا بھی ضروری ہے، کہ گائے کا حصہ بدل ہے شاۃ کا لیکن 2۔ پوری گائے سے عقیقہ کرنا اس سے فقہاء نے بھی تعرض نہیں کیا، مگر قواعد سے ایسا ہے جیسے سات بکریوں سے عقیقہ کرنا جو ظاہراً سنت سے تجاوز ہے جیسے ظہر کی پانچ رکعت پڑھنا، بہتر یہ ہے کہ اور کسی عالم سے بھی تحقیق کر لیا جاوے۔"[52]

ایضاً سوال: حضور کے فتاوی امداد الفتاویٰ ص ۲۳۵ حصہ خامسہ عقیقہ میں گائے ذبح کرنے کا عدم جواز مستفاد ہوتا ہے اس کی بابت گذارش ہے کہ معجم طبرانی صغیر ص ۴۵ میں حدیث ذیل

" قال رسول اللّٰه ﷺ: من ولد له غلا م فليعق عنه من الإبل أو البقر أو الغنم"[53]

حدیث کے بعض رواۃ مجروح ہیں، لیکن طبرانی اس کی تخریج میں متفرد نہیں ہیں اس کے علاوہ ابن حجر نے جمہور کا مذہب یہ بیان کیا ہے کہ ذبح بقر عقیقہ میں جائز ہے۔[54]

الجواب: "میں نے اپنے جواب کی عبارت دیکھی اس میں حکم عدم جواز جزماً کے عنوان سے نہیں ہے، بلکہ سنت کے تجاوز ہونے کے عنوان سے ہے، جو جواز مع الکراہت کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے۔ اب سوال کو اسی طرح فرض کر کے جواب دیتا ہوں، کہ واقعی تردد مذکور کی بناء عدم روایت نقل ہے اور اسی ضرورت سے قواعد سے استنباط کیا گیا، اب اس نقل کے بعد تردد سے پوری گائے یا اونٹ کے ذبح کے جواز بلا کراہت کے جزم کی طرف رجوع کرتا ہوں، جیسا ظاہر روایت مذکوہ سوال سے متبادر ہے۔[55] گو یہ احتمال اب بھی باقی ہے کہ من تبعیضیہ ہو اور غنم سے تعلق من کا تغلیباً ہو اور مکمل غنم کا جواز دوسرے دلائل سے ثابت ہو، مگر چونکہ کوئی قول اس کے مساعد منقول نہیں ہے اس لئے یہ احتمال مضر نہیں۔" [56]

مولانا بریلوی سے عقیقہ کے متعلق یہ سوالات پوچھے گئے:

1۔ قیاسِ عقیقہ قربانی پر صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو ان دونوں کا جامع علت مشترکہ کیا ہے؟

2۔ قربانی کی طرح عقیقہ میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟

3۔ سات لڑکیوں یا تین لڑکے اور ایک لڑکی کے نام سے ایک گائے عقیقہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

تو مولانا بریلوی نے یہ جواب دیا:

"عقیقہ میں شرکت اسی طرح جائز ہے جیسے قربانی میں جبکہ سب کی نیت خالص لوجہ اللہ ہو، اگر ایک کی نیت بھی قربت کی نہ ہو گی اور باقی سب تقرب چاہیں گے کسی کی قربت ادا نہ ہو گی کہ وہ سب گوشت ہو گیا **لان اللہ تعالیٰ لا یقبل الشرکۃ واغنی الاغنیاء عن الشرکۃ لہ ولغیرہ فکلہ لغیرہ** عقیقہ اور قربانی دونوں اراقتِ دم لوجہ اللہ ہیں۔"[57]

راقم کی رائے کے مطابق مولانا تھانوی نے مسئلہ مذکورہ کا استنباط حدیث سے کیا ہے اور مولانا بریلوی عقیقہ کے مسئلہ کو کلیتہً قربانی پر قیاس کیا ہے۔

توضیح فتاوی: مولانا تھانوی نے ابتداءً گائے کے ساتھ عقیقہ کے بارے میں جواز مع الکراہت کی رائے کا اظہار فرمایا ہے بنا برایں کہ اطاعت میں زیادتی ہے لیکن نص پر مطلع ہونے کے بعد مطلقا جواز کا فتوی دے کر سابقہ فتوی سے رجوع فرمایا۔ اور مولانا بریلوی نے ابتداء ہی گائے کے عقیقہ کے جواز کا فتوی صادر فرمایا قربانی پر قیاس کرتے ہوئے۔

اصول مستفاد:

مولانا تھانوی کے مطابق منصوص طاعات میں اضافہ مناسب نہیں ہے۔

مولانا بریلوی کے مطابق جو عمل فی نفسہ طاعت ہو اور اس کے مثل میں اضافہ جائز ہو تو فی نفسہ جائز امر میں اس کے مثل پر قیاس کرتے ہوئے اضافہ کرنا جائز ہے۔

مسائل جدیدہ کا حل:

مولانا تھانوی کے اصولوں کے مطابق جنازہ کے علاوہ میت کے لئے اجتماعات دعا وغیرہ درست نہیں ہیں۔

مولانا بریلوی کے مطابق دعا وغیرہ کے اجتماع جائز ہیں کیونکہ فی نفسہ جائز امور ہیں۔

مسئلہ مذکورہ میں قیاس

مقیس علیہ	مقیس	علت	حکم
اضحیہ بقر	عقیقہ بقر	اراقة الدم للتقرب الى الله	اکیلے آدمی کی طرف سے بھی جائز

فقہائے کرام نے گائے کے عقیقہ میں جائز ہونے کی صراحت کی ہے البتہ مولانا تھانوی ابتداءً گائے کو عقیقہ میں ذبح کرنا مکروہ سمجھتے تھے، بعد میں رجوع کر لیا۔اور مولانا بریلوی نے مطلقا جائز قرار دیا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

1 تھانوی، اشرف علی، مولانا۔امداد الفتاوی، مرتب: مفتی محمد شفیع، مکتبہ دار العلوم، کراچی، 1998ء، ج6، ص:220

2 محمد تقی امینی، مولانا۔اجتہاد، قدیمی کتب خانہ، کراچی، س۔ن، ط۔ن، ص141,140

3 تھانوی، محمد علی، موسوعۃ کشاف اصطلاحات الفنون، تحقیق: علی دحروج، ج:2، مکتبہ لبنان، 1996، ص:1347-1348

4 ابن منظور، ابوالفضل محمد بن مکرم بن علی، لسان العرب، فصل القاف، دار صادر، بیروت، طبع سوم، ج6، ص:187

5 ابن نظام الدين الأنصاري. فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت. محقق: عبد الله محمود محمد عمر . دار الكتب العلمية. بيروت. 2002ء. ج2. ص:297

6 مشترک لفظی ایسے لفظ کو کہتے ہیں جس کو یکے بعد دیگرے دو یا زائد معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو۔دیکھیے: سرخسی، محمد بن احمد، اصول سرخسی، تحقیق: ابوالوفاء افغانی، دار المعارف النعمانیہ، لاہور، طبع اول، 1981ء، ج1، ص:126

7 شوکانی، محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ (م 1250ھ)۔ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول۔تحقیق: احمد عزو عنایۃ، دار الکتاب العربی، دمشق، طبع اول 1999ء، ج2، ص:89

8 مشترک معنوی ایسے لفظ کو کہتے ہیں جو اپنے وسیع تر مفہوم کے واسطہ سے کئی معنی کو یکساں طور پر جامع ہو۔ دیکھیے: سرخسی، محمد بن احمد، اصول سرخسی، ج 1، ص: 126۔ محمد الخضری بک، شیخ، اصول الفقہ، مکتبہ تجاریہ الکبری، طبع ششم، 1969ء، ص: 290-289

9 ابن المؤقت، ابو عبد اللہ، شمس الدین، محمد بن محمد بن محمد المعروف بابن امیر حاج۔ (م 879ھ)، التقریر والتحبیر علی تحریر الکمال لابن همام، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع دوم، 1403ھ، ج3، ص: 117

10 زرکشی، ابو عبد اللہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ بن بهادر (م794ھ)۔ البحر المحیط فی اصول الفقہ۔ دار الکتب، طبع اول، 1414ھ، ج7، ص: 7

11 الشنقیطی، محمود بن عبد الوهاب۔ الوصف المناسب لشرع الحکم، عمادۃ البحث العلمی، الجامعة الاسلامیہ، مدینہ منورہ، طبع اول، 1415ھ، ج1، ص: 16۔ (والرسم هو ما کان بالذاتیات والعرضیات معاً، أو بالعرضیات فقط، وهو تام وناقص.) رسم اس تعریف کو کہتے ہیں جو ذاتیات و عرضیات کی بناپر ہو یا صرف عرضیات کی بناپر ہو، تام ہو یا ناقص ہو۔

12 آمدی، ابو الحسن سید الدین علی بن ابی علی بن محمد بن سالم الثعلبی (م 631ھ)، الاحکام فی اصول الاحکام، المکتب الاسلامی، لبنان، ج3، ص: 190

13 الاحکام فی اصول الاحکام، ج3، ص: 190

14 صدیقی، محمد سعد، ڈاکٹر، علت، بنیاد و اساس قیاس، ششماہی القلم، مدیر: محمد حماد لکھوی، دسمبر 2012ء، ص: 79

15 ایضا

16 محمود احمد غازی، ڈاکٹر۔ محاضراتِ فقہ، لاہور، الفیصل، ص: 96

17 محاضراتِ فقہ، ص: 96

18 محمد بن صالح بن محمد العثیمین (م 1421 ھ)۔ شرح الاصول من علم الاصول۔ دار ابن جوزی، سعودیہ، طبع چہارم، 1435 ھ، ص: 543

19 تھانوی، اشرف علی، مولانا۔ امداد الفتاوی، مرتب: مفتی محمد شفیع، جلد اول (مکتبہ دار العلوم، کراچی، 1993)، جلد دوم (کراچی، 1993)، جلد سوم (کراچی۔ س۔ن)، جلد چہارم (کراچی، 1994)، جلد پنجم (کراچی، 1992)، جلد ششم (کراچی، 1992)

20 تھانوی، اشرف علی، مولانا، امداد الفتاوی، ج1، ص: 15

21 https://m.dailyhunt.in/news/india/urdu/urdu+leaks-epaper-urduleak/-newsid-81570292 accessed on 19-02-2018

22 سعیدی، محمد عبد الستار، حافظ،۔ فہارس فتاوی رضویہ۔ لاہور: رضا فاؤنڈیشن۔ 2006، ص: 4

23 بریلوی، شمس الحسن شمس، فتاوی رضویہ کا فقہی مقام، معارف رضا شمارہ VI، 1986، ص: 50-51

24 عن عقبة بن عامر قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: المسلم أخو المسلم، لا يحل لمسلم باع من أخيه بيعاً وفيه عيب إلا بينه له۔ (ابن ماجة، محمد بن يزيد، السنن، دارالسلام، رقم:2246)
لا يحل كتمان العيب في مبيع أو ثمن؛ لأن الغش حرام، وفي الشامية: إذا باع سلعة معيبة عليه البيان۔ (ابن عابدين، محمد امين بن عمر(1252ھ)، رد المحتار على در المختار ، باب خيار العيب، مكتبه زكريا، ديوبند، ج7، ص:230)

25 امدادالفتاوی،ج3،ص:43

26 احمد رضاخان، مولانا، فتاویٰ رضویہ ،رضافاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، ج17،ص:150

27 فتاویٰ رضویہ ،ج17،ص:150۔ردالمحتار علی درالمختار ،دارالفکر،بیروت، طبع دوم،1412ھ،ج5،ص:238

28 فتاوی رضویہ،ج17،ص:150 ۔ردالمحتار علی درالمختار ،ج5،ص:238

29 القزويني.أبوعبدالله محمديزيد.السنن ،كتاب التجارات.باب من باع عيبافليبينه.دارالجيل ،بيروت، رقم الحديث:٢٢٤٦

30 ولا يجوز الاستيجار على الأذان والحج، وكذا الإمامة وتعليم القرآن والفقه، والأصل أن كل طاعة يختص بها المسلم لا يجوز الاستيجار عليه عندنا۔ (مرغيناني،برهان الدين على بن ابى بكر، بداية، كتاب الإجارات، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه اشرفيه، ديوبند، انڈيا، ج3، ص: 303)
قال ابن عابدين تحت قول صاحب الدر المختار (لا لأجل الطاعات) الأصل أن كل طاعة يختص بها المسلم لايجوز الاستيجار عليه عندنا۔ (رد المحتار على در المختار ،كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب في الاستيجار على الطاعات، مكتبه زكريا، ديوبند، انڈيا، ج9، ص: 76

31 وهبه الزحيلي، ڈاكٹر ،الفقه الإسلامي وأدلته، القسم الثالث: العقود، الفصل التاسع: الوكالة، المبحث الأول: تعريف الوكالة وركنها ومشروعيتها، مكتبه ہدى انٹر نيشنل ،ديوبند، ج4، ص: 745746)
(سليم رستم باز،شرح المجلة، مكتبه اتحاد، ديوبند، ج2، ص: 789، ، رقم المادة:1467)۔

32 لا يجوز أخذ الأجرة على المعاصي، كالغناء والنوح والملاهي الخ۔ (عبد الرحمن بن محمد شيخى زاده‌مجمع الأنهر ،كتاب الاجارة، باب الاجارة الفاسدة، دارالكتب العلمية ،بيروت، ج3، ص: 533)
لا يجوز الاستيجار على الغناء والنوح، وكذا سائر الملاهي؛ لأنه استئجار على المعصية، والمعصية لا تستحق بالعقد۔ (بداية، كتاب الإجارات، باب الإجارة الفاسدة،ج3، ص: 303)۔ رد المحتار على در المختار ،كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، ج9، ص:75

33 امدادالفتاوی،ج3،ص:19

34 فتاوی رضویہ،ج11،ص:256۔ج19،ص:95

35 فتاوی رضویہ،ج11،ص:256۔ج19،ص:95

36 الفاسد من العقود ما كان مشروعا بأصله دون وصفه، والباطل ما ليس مشروعا أصلا لا بأصله ولا بوصفه۔ (درمختار)
وفى رد المحتار: والأجر يطيب، وإن كان السبب حراما كما في القنية۔ قهستاني: ونقل في المنح أن شمس الأئمة الحلوائي قال:

تطيب الأجرة في الإجارة الفاسدة إذا كان أجر المثل۔ (ابن عابدين، محمد بن محمد امين بن عمر(1306ھ)، رد المحتار على در المختار ، الاجارة، الاجارة الفاسدة، ج9، ص: 62)

الفاسد ما يكون مشروعا بأصله دون وصفه، والباطل ماليس مشروعا أصلا۔ (الدر المنتقى على مجمع الأنهر، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، دار الكتب العلمية، بيروت، ج3، ص:530) وعرف الحنفية الفاسدة بأنه ما شرع بأصله دون وصفه۔ (مجموعة من العلماء، الموسوعة الفقهية الكويتية، وزارة الاوقاف والشئون الاسلاميه، كويت، ج32، ص: 117)

37 امدادالفتاوی،ج3،ص:335اور50

38 فتاوی رضویہ،ج19،ص:507

39 عبدالعزیز بن احمد حنفی، کشف الاسرار شرح اصول البزدوی،دارالکتاب الاسلامی،س۔ن،ج1،ص:266

40 من ملک ملكا خبيثا ولم يملک الرد إلى المالک فسبيله التصدق على الفقراء۔ (محمد انور شاہ کشمیری، محمد يوسف بن محمد زكريا البنوری،معارف السنن، باب ماجاء في لاتقبل صلاة بغير طهور، مكتبه اشرفيه ،ديوبند، ج1، ص: 34)۔صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة، والاستئجار على المعاصي والطاعات أو بغير عقد كالسرقة، والغصب، والخيانة، والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه، ولكن إن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالک، وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء۔ (خليل احمد سہارنپوری،بذل المجهود، الطهارة، باب فرض الوضوء، دارالبشائر الإسلامية ،بيروت، ج1، ص: 359، رقم الحديث: 59) الواجب في الكسب الخبيث تفريغ الذمة والتخلص منه برده إلى أربابه إن علموا وإلا إلى الفقراء۔ (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج34، ص: 245) رد المحتار على در المختار ، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مكتبه زكريا ،ديوبند، ج9، ص: 553

41 وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ [المائدة: 5 : 2]

تأخذ الإعانة على الحرام حكمه الحرام مثل الإعانة على شرب الخمر ، وإعانة الظالم على ظلمه لحديث ابن عباس رضي الله عنهما قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: أتاني جبرئيل فقال: يا محمد! إن الله عز وجل لعن الخمر وعاصرها، ومعتصرها، وشاربها، وحاملها، والمحمولة إليه، وبائعها، ومبتاعها، وساقيها، ومستقيها۔ (ترمذی، محمد بن عيسى، السنن، باب النهي أن يتخذ الخمر خلا ،دارالسلام رقم :1295)وعن ابن عمر رضي الله عنه في إعانة الظالم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: من أعان على خصومة بظلم أو يعين على ظلم لم يزل في سخط الله حتى ينزع۔ (ابوداؤد، سليمان بن اشعث، السنن، كتاب القضاء، باب في الرجل يعين على خصومة من غير أن يعلم أمرها، رقم :3598)

42 امدادالفتاوی،ج3،ص:541

43 المائدہ:5 : 2

44 فتاوی رضویہ،ج20،ص:477

45 والعقيقة شرعت عند سرور حادث وتجدد نعمة فأشبهت الذبيحة في الوليمة، ولأن الذبيحة ههنا لم تخرج عن ملكه فكان له أن يفعل بها ما شاء من بيع وغيره، والصدقة بثمن ما بيع منها بمنزلة الصدقة به في فضلها وثوابها، وحصول النفع به

فکان له ذلک۔ (ابن قدامه، المغنی ، آخر کتاب الأضاحي، فصل قال أحمد: يباع الجلد والرأس والسقط ويتصدق به، دار الفکر ، بیروت، ج9، ص:366، رقم المسألة:7903)

46 يصنع بالعقيقة ما يصنع بالأضحية۔ (ظفر احمد عثمانی،اعلاء السنن، الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة، دار الکتب العلمية ،بیروت، ج17، ص: 140)

وبالجملة فهي (العقيقة) كالأضحية في أكثر الأحكام عندهم (الفقهاء)۔ (ظفر احمد عثمانی،اعلاء السنن، الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة، دار الکتب العلمية بیروت، ج 17، ص: 130)

ويتصدق بجلدها أو يعمل منه آلة تستعمل في البيت كالنطع والجراب والغربال ونحوها؛ لأن الانتفاع به غير محرم۔ (ہدایة، کتاب الأضحية، مکتبه اشرفیه، دیوبند، ج4، ص: 450)

ويتصدق بجلدها أو يعمله آلة كجراب أو خف أو فرو؛ لأن الانتفاع به ليس بحرام۔ (مجمع الأنهر، کتاب الأضحية، ج4،ص:174)

47 امداد الفتاوی، ج3، 619

48 المغنی فی فقه الامام احمد بن حنبل، آخر کتاب الأضاحي، فصل قال أحمد: يباع الجلد والرأس والسقط ويتصدق به، دار الفکر ، بیروت، ج9، ص: 366، رقم المسئلة:7903

49 فتاوی رضویہ، ج،20، ص:582

50 مولانا تھانوی نے نص حدیث پر مطلع ہونے کے بعد اس مسئلہ کو منصوص قرار دیا ہے جبکہ مولانا بریلوی کے ہاں یہ مسئلہ قربانی پر قیاس ہے۔

51 فتاوی رضویہ، ج20، ص:595

52 امداد الفتاوی، ج3، ص:620

53 ہیثمی، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر (م 807ھ)، مجمع الزوائد، کتاب الصید، باب العقيقة، دار الکتب العلمية ،بیروت، ج4، ص: 58

54 والجمهور على إجزاء الإبل والبقر أيضاً، وفيه حديث عند الطبراني وأبي الشيخ عن أنس رفعه، يعق عنه من الإبل والبقر والغنم۔ (عسقلانی ، احمد بن علی بن محمد (م 852ھ)،فتح الباري، کتاب العتقيقة، باب إماطة الأذى عن الصبي في العقيقة، دار الریان للتراث، بیروت، ج9، ص: 507، تحت رقم الحدیث:5472)

55 عن أنس بن مالک قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من ولد له غلام فليعق عنه من الإبل أو البقر أو الغنم۔ (إعلاء السنن، کتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة، ج17، ص: 128

56 امداد الفتاوی ج3، ص: 620

57 فتاوی رضویه، ج20، ص:595